Vol. 7 No.1 2024

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

شاعری، نعت اور میر تقی میرؔ

امتیاز علی

پی ایچ ڈی اسکالر شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد ارشد اویسی

صدرِ شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر رفاقت علی شاہد

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Poetry is the joint activity of man's sense of beauty and imagination. Plato neglected poetry due to influence of emotions in versification with a view to be the dual Immitation of the reality. While Aristotle interpreted poetry as the reinvention of ideas through imagination and to elaborate or edit the Plato's proposition of poetry. According to Mathew Arnold, the poetry is capable to demonstrate the human life whereas Muhammad Hassan Askari proclaimed it as the responsible to encircle the whole human life activities. The best and ideal concept of true love in Urdu poetry is expressed through Natia poetry because all positive aspects associated to dear one's are portrayed as firm persuation and deep spirituality devotion in Naat. Such as in Natia poetry of Mir Taqi Mir, the traditional concepts are also characterized with the unique glory of deepest emotions of Mir has transmitted impression of spirituality of emotions.

شاعری انسانی ذہن کی زرخیز ترین جمالیاتی سرگرمی ہے۔ اس بات کی تفہیم میں شاعری کے وجود نیز اس سے منسلک مقبول یا مسترد ہونے کے تصورات کا بنیادی عمل دخل ہے۔ افلاطون ادب اور فنون کا اولین نقاد مانا جاتا ہے۔ چنانچہ افلاطون کے نزدیک شاعری ایک ایسی سرگرمی ہے جو نقل کی بھی نقل پیش کرنے سے عبارت ہے۔ کیوں کہ افلاطون کے نزدیک تمام کائنات عالمِ مثال کی ایک نقل ہے اور شاعر عالم مثال کی بجائے پیشِ نظر کائنات کو شاعری میں پیش کرتا ہے۔ لٰہذا شاعری عالم مثال کی نقل در نقل یا دوہری نقل ہے۔

ارسطو نے افلاطون کے تصورِ نقل کی اصلاح یا وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ شاعر دورانِ تخلیق اس نقل کی نقل نہیں بلکہ ایجادِ نو کرتا ہے۔ یوں یہ مقدمہ نئے زاویے سے سامنے آتا ہے کہ افلاطون کے نزدیک شاعری کے ناقابل قبول ہونے کا سبب جذبات، جب کہ ارسطو کے نزدیک اسی شاعری کے قابل قبول ہونے کا سبب تخیل ہے۔ یعنی افلاطون نے شاعری کو اس لیے قابل احتراز جانا کہ شاعری میں جذبات کا عنصر حقیقت سے دوری کا سبب بنتا ہے۔ جب کہ ارسطو نے شاعری کو اس لحاظ سے قابل قبول گردانا کہ شاعر تخیل کے ذریعے موجود کو بہ شکلِ نَو موجود کر دیتا ہے جس سے کسی شے کے وہ معنیاتی پہلو سامنے آجاتے ہیں جو اس سے قبل ذہن و نگاہ سے اوجھل ہوتے ہیں۔ ارسطو کے اس دعویٰ کی لاشعوری طور پر تائید افلاطون کے ہاں بھی ملتی ہے۔

> ”افلاطون "Ideas" کو سچائی کہتا ہے یعنی Idea یا خیال یا تصور بنیادی ساخت رکھتا ہے بقیہ تمام چیزیں اس کی نقل ہیں۔ نقل کبھی اصل نہیں ہو سکتا۔“(۱)

خیال اور تخیل میں ایک اعتبار سے جز و کل کی مناسبت ہے۔ تخیل جس مواد کو اپنے تصرف میں لاتا ہے وہ خیالات ہی کی اکائیوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ خیال تخیل کے لیے خام مواد کا درجہ رکھتا ہے۔ اور یوں خیال کی نفی تخیل کے جز کی نفی ہے جب کہ جز کے بغیر کل وجود میں نہیں آسکتا لٰہذا خیال کے بغیر تخیل ادھوری شے ہے۔ گویا درج بالا اقتباس روشنی میں افلاطون نے خیال "Idea" کے ذریعے تخیل کی ناگزیر حیثیت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

تخیل کے بارے مولٰناحالی لکھتے ہیں:

"۔۔۔وہ ایک ایسی قوت ہے کہ معلومات کا ذخیرہ جو تجربہ یا مشاہدہ کے ذریعہ سے ذہن میں پہلے سے مہیا ہوتا ہے یہ اس کو مکرر ترتیب دے کر ایک نئی صورت بخشتی ہے اور پھر اس کو الفاظ کے ایسے دلکش پیرایہ میں جلوہ گر کرتی ہے جو معمولی پیرایوں سے بالکل یا کسی قدر الگ ہوتا ہے۔"(۲)

افلاطون کے نزدیک خیال یا تصور حقیقت ہے اور شاعری حقیقت سے دوری یعنی نقل۔خیال جب تخیل کے ذریعے ایک نئی جہت سے صورت پذیر ہوتا ہے تو اسے شاعری کہتے ہیں۔مہیا خیال کے بہ شکلِ نو پیدا ہونے کے عمل کو تخیل جب کہ تخیل کو ارسطو کے نزدیک شاعری کے قابل قبول ہونے کی بنیادی وجہ قرار دیا گیا ہے۔

"اسی طرح تمام آدمی قدرتی طور پر نقل سے حظ حاصل کرتے ہیں فنونِ شبیہی کے نمونوں کو دیکھ کر ہم جو محسوس کرتے ہیں اس سے یہ صاف ظاہر ہے کیونکہ ان میں ہم خوشی سے دھیان لگا کے اور جتنی ٹھیک نقل کی گئی ہو اتنی ہی زیادہ خوشی سے۔۔۔ایسی چیزوں کو دیکھتے ہیں جو اگر اصلی ہوں تو انھیں دیکھ کر ہمیں تکلیف ہو۔"(۳)

ارسطو کے نزدیک نقالی انسان کی جبلی اور فطری خصوصیت ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ نقالی کرنے میں تعلیم پاتا اور سیکھتا ہے۔مزید یہ کہ اس کے سامنے نقالی کا عمل جس قدر ٹھیک کیا گیا ہو اس سے اسی قدر زیادہ حظ اور خوشی محسوس کرتا ہے۔نقالی کے خوشی اور حظ سے معمور تر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ نقالی میں کسی شے کو اضافے کے ساتھ پیش کیا جائے۔اور یہ فریضہ تخیل ادا کرتا ہے کیوں کہ تکلیف دہ شے کو اس طرح پیش کرنا کہ وہ تکلیف کی بجائے خوشی اور حظ کا سبب بن جائے تخیل ہی کا میدان ہے۔اسی کو ارسطو نے حقیقی شاعری سے تعبیر کرتے ہوئے قابل قبول قرار دیا ہے۔

میتھیو آرنلڈ نے اس میں اضافہ کرتے ہوئے اور شاعری کو نقالی سے بلند تر خیال کرتے ہوئے ترجمانی کے فریضے سے جوڑ دیا ہے جس سے شاعری کی وقعت و توقیر کا ایک نیا باب وا ہو جاتا ہے۔

"ہمیں چاہیے کہ ہم شاعری کا شایانِ شان تصور اپنے ذہن میں رکھیں اور یہ تصور اس تصور سے زیادہ بلند و ارفع ہو جو اب تک ہمارا رہا ہے۔ ہمیں ایک ایسا تصور قائم کرنا چاہیے جس سے شاعری کا بلند و بہتر "مصرف" سامنے آسکے۔ جس سے بنی نوعِ انسان یہ دریافت کر سکے کہ اب ہمیں شاعری کو زندگی کی ترجمانی، زندگی میں معنی پیدا کرنے، تسکین حاصل کرنے اور حوصلے کے ساتھ زندہ رہنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔"(۴)

الغرض افلاطون نے اگرچہ شاعری کو حقیقی زندگی سے خارج قرار دیا مگر خیال کی اہمیت کو تسلیم کر کے غیر شعوری طور پر شاعری کی من وجہ تائید بھی کی۔ارسطو نے اسی شاعری کو تخیل کی بنیاد پر قابل قبول قرار دیتے ہوئے انسان کے لیے خوشی اور حظ کا سبب بتایا۔جب کہ میتھیو آرنلڈ نے شاعری کو تسکین و ترجمانی کی بنیاد پر زندگی کے لیے ناگزیر قرار دیا ہے بلکہ وہ سائنس اور مذہب کی بجائے شاعری کو انسانی معاشرے کے زیادہ قرین قرار دیتا ہے۔

خلاصتاًشاعری انسانی خوشی، حظ، تسکین، اشیا کی تخلیقِ نو اور ترجمانِ حیات کے طور پر سامنے آتی ہے۔ محمد حسن عسکری شاعری کو صرف ترجمانِ حیات تک محدود نہیں رکھتے بلکہ ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے اسے حیاتِ انسان پر مکمل محیط ہونے کی ذمہ داری کا حامل گردانتے ہیں۔

محمد حسن عسکری کے مطابق ادب میں انسان کی تین قسموں کا احاطہ کیا گیا ہے یا یوں کہیے کہ انسان کے تین تصوراتِ حیات موضوعِ ادب رہے ہیں۔

ا۔ سیاسی انسان۔ جس پر سماج اور خارج کا غلبہ ہے۔

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

۲۔ فطری انسان۔ جو فطری جبلتوں اور خواہشات کی تسکین کا خواہاں ہے۔

۳۔ نامکمل انسان۔ جس کی فطرت ازلی گناہ سے زخم خوردہ ہے۔

''اب ادب کی طرف آیئے۔ چوں کہ ادب سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ انسان کی پوری ہستی کا احاطہ کرے گا اس لیے یہاں زمانہ وار تقسیم نہیں چل سکتی پھر جو ادب تیسری تہہ تک نہ پہنچے وہ بڑا نہیں ہو سکتا اور جو پہلی تہہ سے آگے نہ بڑھے وہ سچا ادب نہیں ہو سکتا۔''(۵)

گویا ادب کا کامل تصور انسانی حیات پر بغیر کامل احاطے کے ادھورا ہے۔ ادب کو انسان یا انسانی حیات کے ساتھ لازم و ملزوم کرنے کی عملی شکل یہ ہے کہ تخلیق کار اپنی تمام تر تخلیقی مساعی نیز شخصی خود اختیاری کو موضوع کے سامنے ڈال دے اور یہ رویہ تخلیقی ریاضت میں پختگی و استقامت اور تخلیق کار کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ تخلیق کار کی تخلیقی ریاضت و مساعی اور شخصی خود اختیاری کا مرجع اگر غیر شخصی کی بجائے مشخص و معین فرد ہو تو یہ ریاضت اور بھی کٹھن اور پُر مشقت ہو جاتی ہے۔

''لیکن اگر عام انسانوں کے سامنے جن میں ہزار قسم کے عیب، بے رنگیاں، عامیانہ پن، ابتذال، گندگیاں، حماقتیں اور ذلالتیں ہوتی ہیں، اپنی خودی پیش کرنے کا سوال ہو تو کتنے آدمی تیار ہوں گے؟ یہ ہے اصلی روحانی ریاضت۔''(۶)

شاعری کا موضوع بطور محبوب شخصی و غیر شخصی دونوں صداقتوں میں موجود ہے۔ فرق دونوں میں ریاضت اور اس میں پائی جانے والی مشقت کا ہے۔ اگر محبوب غیر شخصی ہو تو اپنی خودی، تخلیقی مساعی اور شخصی خود اختیاری قربان کرنا قدرے آسان ہے۔ بہ نسبت شخصی محبوب کے کہ شخص کا اپنے جیسے شخص کے سامنے جھک جانا اپنے آپ کو فنا کرنے کے مترادف ہے۔ اسی دشوار گزاری کے سبب اسے اصلی روحانی ریاضت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

درج بالا اقتباس سے ایک بات اضافتاً یہ بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ شخصی محبوب کے سامنے تخلیق کار کا اپنی ذات کے تمام تر اختیارات و کمالات کا جھکا دینا روحانی اکساہٹ و رغبت ہی کے زیر اثر ہوتا ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ محبوب ہزار قسم کے عیوب و ابتذال، حماقتوں اور ذلالتوں سے مرکب ہو۔ لیکن اگر محبوب ہر قسم کے عیب سے پاک اور مبرا پیدا کیا گیا ہو تو اندازہ لگانا ہو گا کہ اس کے سامنے تخلیق کار کا جھکنا کس درجے کا روحانی عمل ہو گا۔

کیوں کہ شاعری اور نعتیہ شاعری کے محبوب میں فرق ہے۔ شاعری کا محبوب ممکن ہے____ بہ الفاظ محمد حسن عسکری____ قسم قسم کے عیوب ابتذال ذلالتوں حماقتوں کا حامل ہو لیکن نعتیہ شاعری کے محبوب کی طرف کسی عیب کی نسبت کجا، گمان بھی بے ادبی و سرتابی ہے۔ شاعری کا محبوب ممکن ہے تخلیق کار سے شخصی درجے میں کم تر ہو اسی سبب سے اپنے سے کم تر کے سامنے اپنی خودی اور شخصی وقار کو جھکانا ریاضت و مشقت ہے مگر نعتیہ شاعری کا محبوب اپنے سے کیا، خدا کے بعد ہر شے سے بالاتر اور ''بعد از خدا بزرگ توئی'' کا مصداق ہے۔ جس کے سامنے تخلیق کار کا مع تمام تر شخصی جہات کے جھکنا صرف پُر مشقت عمل نہیں بلکہ ایک پُر مسرت سعادت ہے۔ اس لیے یہ سرگرمی حقیقی معانی میں روحانی ریاضت بلکہ عبادت کے درجے تک جا پہنچتی ہے۔

نعت کا شاعری میں وہی درجہ ہے جو نعت کے موضوع و محبوب کا شاعری کے موضوع و محبوب کے مقابلے میں درجہ ہے۔ شاعری میں۔۔۔۔

''یہ بات بھی ہر زبان کے شعری سرمائے میں تقریباً یکساں تسلیم کی جا چکی ہے کہ شاعر ہمیشہ کسی الہامی کیفیت میں شعر کہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں شاعری کو پیغمبری کا جزو اور شاعر کو تلمیذ الرحمان کہا جاتا ہے۔''(۷)

معلوم ہوا شاعری تخیل میں وجدانی و الہامی کیفیت کی گھلاوٹ کا ثمرہ ہے جب کہ شاعرانہ ذہن تخیل اور ماورائیت کے مجموعے کا نام ہے۔ جب تک تخیل میں ماورائی عنصر شامل نہ ہو محض تخیلاتی سرگرمی شاعری کا نام نہیں پا سکتی۔ شاعری اپنے موضوع کو معمول سے مختلف زاویوں سے دیکھتی تجزیہ کرتی اور

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

اس کی تشکیل نو کرتی ہوئی منفرد پیرائے میں پیش کرتی ہے۔ شاعر کا یہ رویہ شاعری کو جمالیاتی سر گرمی بنا دیتا ہے۔

> ''حسن کا علم حاصل کرنے کا عمل بذاتِ خود لذت بخش ہوتا ہے اور اس علم کے حاصل کرنے کا وسیلہ عقل ہے اگر حسن عقل کو لذت بخشتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں اعلیٰ درجے کا تناسب ہوتا ہے کیوں کہ تناسب عقل کو بہت بھاتا ہے۔''(۸)

گویا جمالیات کی رو سے شاعر دوران تخلیق الہامی حظ سے دوچار ہوتا ہے۔ یہی حظ اسے اشیاء کے پوشیدہ زاویوں، رازوں اور حیثیتوں سے متعارف کراتا ہے۔ شاعر کو اپنے موضوع کا منفرد نوعیت کا علم حاصل ہوتا ہے اور شاعر اپنے موضوع کے ساتھ ساتھ اپنی خودی اور شخصی پردوں میں چھپے سربستہ رازوں سے آشنائی حاصل کرتا ہے اور یوں شاعرانہ تخلیق کی تمام تر سرگرمی نہ صرف جمالیاتی بلکہ روحانی سرگرمی کا درجہ پا لیتی ہے۔ اس لیے کہ اس سرگرمی کا اکتساب براہِ راست الہام و وجدان کے سرچشمے سے ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر اسے تلمّذِ رحمان اور جزوِ پیغمبری تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر شاعری دیگر فنونِ لطیفہ میں محترم و موقر ٹھہرتی ہے۔

> ''اگر یہ کہا جائے کہ ''شاعری عطیہ رحمان اور شاعر تلمیذ رحمان ہے'' تو بے جا نہ ہوگا جیسا کہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ کے معانی و مطالب سے واضح ہے۔ میرے خیال میں وہ شاعر جو ایمان کو تازگی روح کو بالیدگی اور قلب کو روشنی عطا کرے دراصل وہی شاعری ہے اور یہ معیار و منہاج نعت کے علاوہ کسی اور صنفِ سخن کو حاصل نہیں۔''(۹)

شاعری اور نعت کا تلازمہ ایک منفرد زاویہ نگاہ رکھتا ہے۔ بایں طور کہ ایک تخیلاتی، جمالیاتی و الہامی سرگرمی کی نسبت جب پیغمبری سے ہو تو وہ شاعری کا نام پاتی ہے، مگر یہی شاعری آگے بڑھ کر جب پیغمبر ﷺ سے منسوب ہو جائے تو نعت کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ شاعری اور نعتیہ شاعری میں برتر اور برترین کا علاقہ ہے۔ کیوں کہ شاعری کی اضافت صفت (پیغمبری) کی طرف ہے جب کہ نعتیہ شاعری کی نسبت ذات (پیغمبر) کی طرف۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ذات صفت سے مقدم ہوتی ہے۔

شاعری میں الہامی و وجدانی عنصر جس قدر زیادہ ہوگا تاثیر کا عالم اتنا ہی نمایاں اور گہرا ہوتا چلا جائے گا جبکہ شاعری کے مقابلے میں نعت میں کچھ زیادہ۔ کیوں کہ نعت میں روحانی و وجدانی عنصر کی زیادہ گنجائش اور مطابقت پائی جاتی ہے۔

سخن میں تاثیر کا تناسب الہامی و وجدانی کیفیت کے تناسب سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرؔ کو خدائے سخن کا لقب دیا گیا۔ دیگر شعرا میں میرؔ کے خدائے سخن کہلائے جانے سے میرؔ کے کلام کا دیگر شعرا کے کلام کے سامنے مقام و مرتبہ خوب عیاں ہو جاتا ہے۔ تاثیر میں کلامِ میرؔ کی خوبی مولانا محمد حسین آزاد نے یوں بیان کی ہے:

> ''میرؔ صاحب کی زبان شستہ کلام صاف بیان ایسا پاکیزہ۔۔۔ اور زبان میں خدا نے ایسی تاثیر دی ہے کہ وہی باتیں ایک مضمون بن جاتی ہیں اسی واسطے ان میں بہ نسبت اور شعرا کے اصلیت کچھ زیادہ قائم رہتی ہے۔۔۔ ان کی غزلیں ہر بحر میں کہیں شربت اور کہیں شیر و شکر ہیں مگر چھوٹی بحروں میں فقط آبِ حیات بہاتے ہیں جو لفظ منہ سے نکلتا ہے تاثیر میں ڈوبا ہوا نکلتا ہے۔''(۱۰)

دیگر موضوعات شاعری کی طرح میرؔ کے نعتیہ اشعار بھی منفرد آہنگ و تاثیر کے حامل ہیں۔ انھوں نے مختلف حوالوں سے نعت جیسے مقدس موضوع کو اپنے کلام کا حصہ بنایا ہے۔

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

”غزل کی بادشاہت کے ساتھ نعت جیسی نازک ترین صنف کو بھی انھوں نے بڑی خوبی سے برتا اور اچھے خوبصورت اور معیاری شعر کہے ہیں۔“[۱۱]

حسنِ نبی ﷺ کا ذکر میرؔ نے اس انداز سے کیا ہے:

یوسف سے کئی آن کے تیرے سر بازار   بک جاتے ہیں باتوں میں خریدار ہمیشہ[۱۲]
گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار کئی   رشک سے جلتے ہیں یوسف کے خریدار کئی[۱۳]
کھل گئے رخسار اگر یار کے   شمس و قمر جی سے اتر جائیں[۱۴]
خورشید تیرے چہرے کے آگو نہ آسکے   اس کو جگر بھی شرط ہے جو تاب لا سکے[۱۵]

شاعرانہ رویہ اور روایت یہی ہے کہ اپنے محبوب کی توصیفِ حسن اس انداز سے کرے کہ حسن کی بہترین مثالیں ماند پڑتی معلوم ہوں۔ اس لیے محبوب کے رخِ زیبا کو شمس و قمر سے ملانا یا محبوب کے حسن قد و قامت کو حسنِ یوسف کے متوازی ذکر کرنا روایت ہے۔ لیکن جب نعت کا معاملہ ہو تو ہم دیکھتے ہیں کہ میرؔ نے شمس و قمر کے نور کو چہرۂ والضحیٰ کے سامنے ہیچ قرار دیا ہے جبکہ کوئے مدینہ کو بازارِ مصر سے زیادہ پر رونق بتایا ہے۔ دیوانگانِ حسنِ نبی ﷺ خریدارانِ بازارِ مصر سے زیادہ خود رفتہ دکھائی دیتے ہیں۔

درِ رسول ﷺ سے میرؔ کو ادب اور تمسک کی نسبت ہے جس کا اظہار انھوں نے یوں کیا ہے:

کوئی فقیر یہ اے کاش کہ دعا کرتا   کہ مجھ کو اس کی گلی کا خدا گدا کرتا[۱۶]
فرو نہ آوے سر اس کا طواف کعبہ سے   نصیب جس کو ترے در کی جبہ سائی ہو[۱۷]
پر نہیں جو اڑ کے اس در جایئے   زندگانی حیف ہے مر جایئے[۱۸]
کعبے کی یہ بزرگی شرف سب بجا ہے لیک   دلکش جو پوچھیے تو کب اس کا آستاں سا ہے[۱۹]

درِ رسول ﷺ کی حاضری مظہرِ محبت بھی ہے تو عملِ عبادت بھی اور توفیقِ خاص بھی۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر درِ رسول ﷺ کی حاضری کی تمنا رکھتے ہوئے دوسروں سے بھی اس حق میں دعاؤں کا طلبگار رہتا ہے۔ محبت اور اس میں تڑپ کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ شاعر اُس درِ پاک سے دوری کو موت سے زیادہ شاق خیال کرتے ہوئے موت کو درِ رسول سے دوری پر ترجیح دیتا ہے۔ اسے محبوب کا در جنت اور کعبے سے بھی زیادہ جاذبِ توجہ محسوس ہوتا ہے۔ شاید اس لیے کہ اس در سے ہٹ کر نہ کعبہ جانا قبول ہے نہ جنت کو راہ ہے۔ میرؔ کے ہاں ذاتِ نبی سے عشق مقصودِ حیات بھی ہے اور مقصودِ کائنات بھی۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

چاہیں تو تم کو چاہیں دیکھیں تو تم کو دیکھیں   خواہش دلوں کی تم ہو آنکھوں کی آرزو تم[۲۰]
ماہ و خورشید و ابرو باد سبھی   اس کی خاطر ہوئے ہیں سودائی[۲۱]
آستاں کے کسو کی خاک ہوا   آسمان کا بھی کیا ستارہ تھا[۲۲]
چہرہ ہی یار کا ہے چت چڑھا ہوا   خورشید ماہ آتے ہیں کب میرے دھیان میں[۲۳]

اُردو شاعری میں محبوب شاعر کی شعوری و لاشعوری تحرکات کی منزلِ مقصود کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ محبت کا تقاضا بھی خیال کیا جاتا ہے۔ جب کہ ایک

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

لحہ توجہ کا غیر کی طرف مبذول ہونا یا غیر کا توجہ میں در آنا خلافِ محبت ٹھہرتا ہے۔ایسے معاملات جب نعتیہ قالب میں ڈھل جائیں تو محبت ایک عقیدے کا درجہ پا لیتی ہے۔یوں ایک اضطراری عمل کی عملِ اختیاری کی طرف قلبِ ماہیت ہو جاتی ہے۔میرؔ کے ہاں نبی ﷺ سے وابستگی نہ صرف عقیدے بلکہ روح کے درجے تک پہنچ گئی ہے۔اس وابستگی میں رکاوٹ بننے اور حائل ہونے والے کے لیے میرؔ انتہائی ناگواری کے جذبات رکھتے ہیں۔مثال کے طور پر ملاحظہ ہو میرؔ کا یہ شعر:

بند بند ان کے جدا دیکھوں الٰہی میں بھی   میرے صاحب کو جو بندوں سے جدا کرتے ہیں(۲۴)

گویا امتی کا اپنے صاحب سے جدا ہونا مشیتِ ایزدی کے بھی خلاف ہو۔تبھی تو خدا سے یہ دعا کی جا رہی ہے کہ امتی کو اپنے صاحب ، نبیِ مختار سے جدا کرنے والوں کے بند بند جدا ہو جائیں۔یوں نبی اور امتی کے تعلق کے اٹوٹ پن کی طرف بھی اشارہ ہے، میرؔ کے درج بالا شعر کو دو طرح سے قرآنی اسلوب کی تائید حاصل ہے۔

(۱) میرؔ نے نبی ﷺ کے لیے صاحب کا لفظ بیان کیا ہے جب کہ قرآن کی سورۃ النجم اور التکویر میں یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے:

"مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى"(۲۵)

(تمہارے صاحب (نبی ﷺ) نہ راستہ بھولے نہ راستے سے جدا ہوئے۔)

"وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ"(۲۶)

(اور تمہارے صاحب (نبی ﷺ) زخودرفتہ نہیں۔)

(۲) نبی ﷺ کا اپنے امتیوں کے پاس اور قریب موجود ہونے کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

"مَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ"(۲۷)

(خدا کے یہ شایانِ شان نہیں کہ خدا ان کو عذاب دے جب کہ آپ ﷺ ان میں موجود ہوں۔)

"اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ"(۲۸)

(نبی ﷺ مومنوں کے لیے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔)

شاعر لحۂ تخلیق میں ایک مختلف زندگی کے تجربے سے گزر رہا ہوتا ہے کیوں کہ یہ ذہن کی بھرپور اور زرخیز ترین سرگرمی ہوتی ہے۔جو کہ بہترین اور اعلیٰ تخیلات کو ثبتِ قرطاس کرنے کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔چوں کہ اس سرگرمی کا مرکز و محور موضوعِ محبوب ہوتا ہے لہٰذا اس کے نتیجے میں سامنے آنے والے مواد کو شاعر کی سچی داخلی کیفیات کا بے ساختہ اور تصنع سے پاک اظہار سمجھا جانا چاہیے۔میرؔ کے ہاں ان کیفیات کی روداد بھی لفظوں میں بیاں ملتی ہے۔جب وہ نعت گوئی کی کیفیت کو ادب اور عقیدت سے معمور عمل بتاتے ہوئے لفظوں میں سمو دیتے ہیں۔نعت لکھنے کے ادب کو وہ اولین تقاضا سمجھتے ہوئے بجا لاتے ہیں:

ہے حرفِ خامہ دلِ زدہ حسنِ قبول کا   یعنی خیال سر میں ہے نعتِ رسول کا
دھو منہ ہزار پانی سے سو بار پڑھ درود   تب نام لے تو اس چمنستاں کے پھول کا(۲۹)

اپنی مثنوی "اعجازِ عشق" میں نعت گوئی کے تقاضے وہ یوں بیان کرتے ہیں:

مجھے ساقی دے کوئی جام عقیق   و لیکن لبالب ہو اس میں رحیق
رکھے آپ میں جس کی آمد مجھے   کہ در پیش ہے نعتِ احمد مجھے(۳۰)

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

درود وسلام کے حوالے سے میرؔ کے یہ اشعار بھی مرکزِ توجہ ہیں:

ثنا جانِ پاک محمد کے تئیں ۔۔۔ درود و تحیات احمد کے تئیں
رسولِ خدا و سرِ انبیاء ۔۔۔ زہے حشمت و جاہ صلِ علیٰ (۳۱)

مذکورہ مضامین کے علاوہ بھی میرؔ کے ہاں کئی ایک نعتیہ مضامین ملتے ہیں۔"مسدس در نعت سرورِ کائنات ﷺ" میں انھوں نے آپ ﷺ سے نگاہِ رحمت کی اُمید، اپنی سیہ کاری پر ندامت، آپ ﷺ کے سایہ شفاعت میں جگہ پانے کی خواہش، میدانِ حشر میں آپ ﷺ کے عالی شان اظہارِ مرتبت جیسے مضامین اور آپ کو آخری نجات دہندہ، حشر میں آخری سہارا بیان کرتے ہوئے توسل و تمسک کا رویہ اپنایا ہے۔ جب کہ مثنوی "اعجازِ عشق" میں "در نعت سیدالمرسلین" کے ذیل میں آپ ﷺ کی انبیا کے درمیان سیادت و پیشوائی، آپ ﷺ کے نور کائنات ہونے، آپ ﷺ کی معراجِ طبقہائے بالا، آپ ﷺ کے باعثِ تخلیق کائنات ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کو نورِ الٰہی کے طور پر بیان کیا ہے۔

مثنوی "معاملاتِ عشق" میں میرؔ نے آپ ﷺ کو جوہر عشق کا مجسم اظہار بتاتے ہوئے رسالتِ نبی کو عشق کے کائناتی اظہار کے طور پر بیان کیا ہے۔

مجموعی طور پر میرؔ کی شاعری میں چونکہ داخلیت زیادہ کارفرما نظر آتی ہے لہٰذا یہی عنصر میرؔ کی نعتیہ شاعری میں بھی نمایاں ہے۔ چنانچہ میرؔ کی نعت کو اس دور کی مجموعی تخلیقی فضا کی تائید بھی حاصل ہے۔

> "اس دور میں بانی اسلام کی نعت میں وصفی انداز بیان اپنایا گیا ہے اور داخلی انداز میں بھی نعتیں کہی گئی ہیں۔ داخلی اندازِ بیان کے تحت بانی اسلام سے عقیدت و محبت کی شیفتگی میں اپنے سوزِ دروں کو شعری جامہ پہنایا گیا۔"(۳۲)

میرؔ کی نعت میں عشقِ نبی کا سوز بھی ہے اور آپ کی اطاعت کی لگن بھی، آپ کے کمالاتِ ظاہری و باطنی کا بیان بھی ہے اور آپ کے حسنِ بے مثال کا تذکرہ بھی، آپ سے رحمت و شفاعت کی اُمید بھی ہے اور آپ کے در کی حاضری کی جستجو بھی، آپ کی نعت لکھنے کا ادب بھی ہے اور اس عظیم عمل کے سامنے اپنی کم مائگی کا اعتراف بھی۔ الغرض ایک طرف موضوعات کے حوالے سے میرؔ کی نعت نگاری کو بھرپور کہا جا سکتا ہے اور دوسری طرف غزل، رباعی، قطعات، ترجیع بند اور مسدس کی ہئیت میں ہونے کے سبب میرؔ کی نعت کو فن میں بھی کثیر الجہتی حاصل ہے۔

حوالہ جات

1۔ وہاب اشرفی، قدیم مغربی تنقید، اسلام آباد: پورب اکادمی، طبع اوّل، جولائی ۲۰۱۲ء، ص:۲۵
2۔ الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر وشاعری، لاہور: خزینہ علم وادب، ۲۰۰۱ء، ص:۴۲
3۔ ارسطو، پوئٹکس (Poetics)، عزیز احمد (مترجم)، بوطیقا، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، اشاعت ششم، ۲۰۰۱ء، ص:۴۲
4۔ میتھیو آرنلڈ، شاعری کا مطالعہ، مشمولہ: ارسطو سے ایلیٹ تک، مرتبہ: ڈاکٹر جمیل جالبی، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، طبع ہفتم، ۲۰۱۳ء، ص:۳۳۸
5۔ محمد حسن عسکری، آدمی اور انسان، مشمولہ: مجموعہ محمد حسن عسکری، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص:۴۶۰
6۔ ایضاً، ص:۴۷۹
7۔ عزیز احمد، ڈاکٹر، حمد و نعت کے معنیاتی زاویے، کراچی: نعت ریسرچ سینٹر، ص:۳۳

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

8۔ محمد ہادی حسین، شاعری اور جمالیات، مشمولہ: جمالیات، مرتبہ: شاکر کنڈان، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، جولائی ۲۰۱۹ء، ص: ۳۰۳

9۔ مظفر حسن عالی، ڈاکٹر، اُردو کی نعتیہ شاعری کا تاریخی و تہذیبی مطالعہ، مشمولہ: اُردو نعت کی شعری روایت، مرتبہ: صبیح رحمانی، کراچی: اکادمی بازیافت، پہلی اشاعت، جون ۲۰۱۶ء، ص: ۱۶۳

10۔ محمد حسین آزاد، آبِ حیات، لکھنؤ: اتر پردیش اُردو اکادمی، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۲ء، ص: ۲۰۳

11۔ ایضاً، ص: ۱۹۷

12۔ میر تقی میرؔ، کلیاتِ میر، دیوانِ اوّل، جلد اوّل، مرتبہ: کلب علی خان فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، ص: ۳۹۷

13۔ ایضاً، ص: ۴۳۰

14۔ ایضاً، ص: ۴۵۶

15۔ ایضاً، ص: ۵۳۸

16۔ ایضاً، دیوان دوم، جلد دوم، ص: ۶۹

17۔ ایضاً، ص: ۲۵۰

18۔ ایضاً، ص: ۳۴۴

19۔ ایضاً، ص: ۳۴۹

20۔ ایضاً، دیوان سوم، جلد سوم، ص: ۱۲۴

21۔ ایضاً، ص: ۲۳۸

22۔ ایضاً، دیوان چہارم، جلد سوم، ص: ۲۶۰

23۔ ایضاً، دیوان ششم، ص: ۲۴۵

24۔ ایضاً، ص: ۲۴۸

25۔ النجم: ۲

26۔ التکویر: ۲۲

27۔ الانفال: ۳۳

28۔ الاحزاب: ۶

29۔ میر تقی میرؔ، کلیاتِ میر، دیوانِ پنجم، ص: ۱

30۔ ایضاً، جلد ششم، ص: ۹۲

31۔ ایضاً

32۔ محمد اسمٰعیل آزاد، ڈاکٹر، اُردو شاعری میں نعت، جلد اوّل، لکھنؤ: مطبع ندائے حق پریس، بار اوّل، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۵۸